مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی
مدیر سہ ماہی ''احوال و آثار''، کاندھلہ، انڈیا۔

بھائی محمود

ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ، پاکستان کے مدیر مکرم، مولانا عمار خان ناصر صاحب کا ارشاد ہے کہ راقم سطور، مجلّہ الشریعہ کے پروفیسر محمود احمد غازی نمبر کے لیے کچھ لکھ کر پیش کرے۔ میں اس محترم فرمائش کی تکمیل کرنا چاہتا ہوں مگر حیران ہوں کہ کیا لکھوں:

چگونہ حرف زنم دل کجا، دماغ کجا

مگر بہرصورت کچھ نہ کچھ حاضر کرنا ہے، اس لیے چل مرے خامے بسم اللہ!

محمود غازی صاحب برصغیر ہند کے نامور و ممتاز فاضل، عالم، دانشور، مصنف و مترجم، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے وائس چانسلر [شیخ الجامعہ]، پاکستان کی عدالت عالیہ کی شریعت بنچ کے سینئر جج، مذہبی امور اور حج کے لیے حکومت پاکستان کے وفاقی مرکزی وزیر، پاکستان کے متعدد سربراہان حکومت کے مشیر و معتمد، پچاسوں قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں ممتاز مبصر و مقالہ نگار، پینتس چھتیس کتابوں کے مصنف اور مختلف کتابوں کے عربی، اردو، انگریزی مترجم، یعنی اکثر علمی کمالات سے پوری طرح بہرہ ور اور دنیاوی مناصب واعزازات میں بلند سے بلند مرتبہ پر فائز! مگر ہم اہل خاندان خصوصاً کاندھلہ میں مقیم رشتہ داروں کو نہ ان میں سے اکثر عہدوں اور مناصب کا علم اور نہ ان کا ان سے وابستہ معاملات، منافع و مباحث سے کچھ واسطہ۔ ہم سب کے لیے محمود غازی صاحب نہ جسٹس صاحب تھے، نہ شیخ الجامعہ، نہ وزیر باتدبیر اور صدر پاکستان کے مشیر و معتمد۔ ہم سب خصوصاً راقم سطور اور قریبی عزیزوں کی زبانوں پر وہ صرف بھائی محمود تھے۔ ہمیشہ اسی نام سے پکارے گئے اور بھائی محمود بھی ہم سب اہل خاندان سے صرف اور صرف اسی رشتے سے ملے۔ نہ ان پر کسی مقام و مرتبہ اور عہدہ و منصب کا احساس واثر نظر آیا، نہ اس کا تذکرہ ہوا۔ جب ملتے خوب ملتے، بے تکلفی سے، بلا کسی خیال کے۔ سب طرح کی اچھی بری باتیں ہوتیں، عزیزوں رشتہ داروں کے احوال و کوائف کی بات ہوتی، واقعات جہاں کا دفتر کھلتا، تازہ علمی مباحث اور کتابوں کی خبر ملتی اور ہر اک عنوان پر کچھ نہ کچھ تبادلہ خیال ہوتا۔ اس کی وجہ بھائی محمود کے مزاج کی

سادگی، کاندھلہ کے مشہور علمی دینی صدیقی خاندان سے ان کی ننھیالی نسبت اور زندگی کے ابتدائی چند سال کاندھلہ میں گزارنے کا اثر تھا جس کا بھائی محمود نے ہمیشہ بے حد خیال رکھا اور اس رشتہ وتعلق کو پورے اہتمام سے، پورے احترام سے اور تواتر کے ساتھ ہمیشہ نبھایا۔

کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ بھائی محمود کا اگرچہ اصلی وطن اور خاندانی سلسلہ تھانہ بھون کے ممتاز فاروقی خاندان سے ہے، مگر ان کے بچپن کا اکثر حصہ کاندھلہ میں گزرا۔ بھائی محمود کی والدۂ محترمہ مدظلہا کاندھلہ کے معروف صدیقی خاندان کی مؤقر خاتون ہیں۔ بھائی محمود کے نانا حکیم قمر الحسن صاحب، راقم سطور کے والد ماجد مدظلہ العالی کے بڑے بھائی [میرے تایا] تھے۔ اس پہلو کی بعض تفصیلات کے بغیر یہ گفتگو مجمل و ناتمام رہے گی، اس لیے اس کے بعض گوشوں کا تذکرہ ضروری ہے۔

کاندھلہ کے اس خاندان کے ایک بابرکت فرد، مولوی رؤف الحسن صاحب کاندھلوی تھے جو [شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے والد ماجد] حضرت مولانا محمد یحیٰ اور مروج تبلیغ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی کے حقیقی ماموں بھی تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

مولوی رؤف الحسن [وفات: ۱۳۶۴ھ-۱۹۴۵ء] بن مولانا ضیاء الحسن صادق [م ۱۳۱۵ھ-۱۸۹۸ء] بن مولانا نور الحسن [۱۲۸۵ھ-۱۸۶۸ء] بن مولانا ابوالحسن [م ۱۲۶۱ھ-۱۸۵۳ء] بن حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی [م ۱۲۴۵ھ-۱۸۲۹ء] رحمہم اللہ''

مولوی رؤف الحسن صاحب کے پانچ فرزند ہوئے:

(۱) مولانا حکیم نجم الحسن صاحب [م: ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء]

(۲) مولانا احتشام الحسن صاحب، معروف مصنف اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے رفیق [م: ۱۳۹۲ھ-۱۹۷۱ء]

(۳) مولوی حکیم قمر الحسن صاحب فاضل، جامعہ طبیہ دہلی [م: ۸/شوال ۱۳۶۲ھ-۸ ستمبر ۱۹۴۳ء]

(۴) مولانا اظہار الحسن صاحب، جو مولانا انعام الحسن صاحب کے دور میں اور اس کے بعد مرکز تبلیغ نظام الدین، دہلی کے عملاً سربراہ اور تبلیغ کے موجودہ ذمہ دار مولوی محمد سعد صاحب کے نانا تھے۔ [م: ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء]

(۵) حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب مدظلہ [جو راقم سطور کے والد ماجد ہیں] ولادت: ۱۱ جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۴۰ھ/ ۱۰ جنوری ۱۹۲۲ء

اور تین دختر:

الف: جویریہ خاتون، زوجہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی۔

ب: امت الدیان، زوجہ مولوی ظہیر الحسن صاحب کاندھلوی۔

ج: امت المتین، زوجہ اولیٰ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی۔

فرزندوں میں سے تیسرے، حکیم قمر الحسن صاحب کے کوئی پسری اولاد نہیں تھی، دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی کی شادی تھانہ بھون کے فاروقی خاندان میں مولانا محمد احمد صاحب تھانوی سے ہوئی۔ یہی بھائی محمود کی والدہ محترمہ ہیں۔ دوسری بہن کا نکاح کاندھلہ کے ایک فاضل، مولوی حکیم خلیق الرحمٰن صاحب سے ہوا۔ وہ بھی ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان چلے گئے تھے۔ ٹنڈو رحیم، سندھ میں رہے۔ آخر میں سکھر آ گئے تھے، ان کے اہل خانہ وہیں ہیں۔

مولانا محمد احمد کے دو بیٹے ہوئے: محمود احمد [ولادت: ۱۹۵۰ء] اور محمد [ولادت: ۱۹۵۳ء]۔ بھائی محمود نے زمانہ طالب علمی سے اپنے نام کے ساتھ غازی کا اضافہ کر لیا تھا اور چھوٹے بھائی کے نام کے ساتھ الغزالی کا لاحقہ استعمال ہوتا ہے، پروفیسر ڈاکٹر محمد الغزالی [مدیر مجلہ الدراسات الاسلامیة اسلام آباد] حفظہ اللّٰہ۔

بھائی محمود کے والد محترم، دہلی میں پاکستان ہائی کمیشن میں ملازم تھے، اس لیے ان کی والدہ اکثر اپنے میکہ کاندھلہ رہتی تھیں۔ یہیں بھائی محمود کی نشو ونما ہوئی اور یہیں قرآن کریم کی تعلیم کی ابتدا بھی ہوئی۔ بھائی محمود کی نانی صاحبہ کے مکان سے چند قدم کے فاصلہ پر، کاندھلہ کی جامع مسجد ہے۔ اس مسجد میں ایک پرانا مدرسہ تھا جس کو ۱۳۰۰ھ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی سرپرستی میں حضرت مولانا کے ایک شاگرد، مولانا حکیم صدیق احمد صاحب کاندھلوی نے قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ اس وقت تک خوب کامیاب اور متحرک ورواں دواں تھا۔ اس میں حفظ کے درجات بھی تھے، ناظرہ کے بھی اور متوسطات تک عربی فارسی کی بھی عمدہ تعلیم ہوتی تھی۔ اسی مدرسہ کے ایک معلم قرآن، حافظ عبدالعزیز صاحب تھے جو کاندھلہ سے ملحق گاؤں کھندراؤلی کے باشندے تھے مگر کاندھلہ آ گئے تھے۔ درجہ حفظ و ناظرہ کے استاد تھے۔ بھائی محمود نے تعلیم کی ابتدا ان سے کی اور بہت کم عمری میں ایک پارہ ختم کر لیا تھا۔

سنہ ۱۹۵۴ء میں بھائی محمود کے والد محترم نے اور بہت سے عزیز واقربا کے ساتھ پاکستان جانے کا ارادہ کر لیا اور اپنے وطن کو خیر باد کہتے ہوئے نئے وطن، نئی سرزمین کے لیے روانہ ہو گئے۔ پاکستان پہنچ کر کراچی میں قیام ہوا۔ کیونکہ دہلی میں مولوی محمد احمد صاحب پاکستان ہائی کمیشن میں ملازم تھے، اس لیے کراچی میں سرکاری دفتر میں تقرر ہو گیا۔ کراچی میں قیام اور ملازمت کا انتظام ہوتے ہی بھائی محمود کی تعلیم کی طرف توجہ کی۔ گھر کے قریب ایک مدرسہ تھا جس میں قاری وقاء اللہ صاحب پانی پتی سے [جو ہندوستان کی ایک معروف شخصیت مولانا لقاء اللہ پانی پتی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے] کاندھلہ کے سلسلۂ تعلیم کی تجدید ہوئی۔ ان سے اور اسی مکتب کے ایک اور استاد، حافظ نذیر احمد صاحب سے قرآن مجید حفظ مکمل کیا۔ حفظ نو عمری میں صرف نو سال کی عمر میں مکمل ہو گیا تھا۔

حفظ کے بعد دور کیا اور اس کے ساتھ ہی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے مدرسہ میں عربی تعلیم کے لیے داخل

کر دیے گئے۔ مدرسۂ مولانا بنوری میں چار سال تک پڑھا جس میں خود مولانا بنوری سے بھی تلمذ کی سعادت میسر آئی۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ بھائی محمود کے وہ استاذ جو اصول الشاشی پڑھا رہے تھے، کسی ملازمت پر تقرر کی وجہ سے درمیان سال میں سعودی عرب چلے گئے تھے۔ اس وقت ان کے سبق مولانا بنوری نے پڑھائے تھے۔ اسی مدرسہ میں مولانا عبدالرشید نعمانی سے بھی تلمذ ہوا اور مولانا عبدالقدوس ہاشمی سے بھی رابطہ رہا۔ مولانا ہاشمی سے اگر چہ باضابطہ تلمذ وتعلیم تو نہیں ہوئی، لیکن کثیر استفادہ کا موقع ملا جو بعد میں بھی جاری رہا۔ بھائی محمود کو کچھ وقت مدرسہ ٹنڈو اللہ یار میں بھی گزارنے کا موقع ملا۔ یہاں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی کے درس میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ پاکستان کا مرکزی دارالحکومت کراچی سے اسلام آباد منتقل ہونا شروع ہو گیا۔ سرکاری ملازمین بھی آہستہ آہستہ کراچی سے اسلام آباد پہنچتے رہے۔ انہی میں محمود صاحب کے والد محترم مولانا محمد احمد صاحب تھانوی بھی تھے۔ اس وقت سے اس گھرانہ کا قیام اسلام آباد میں ہوا جو آج تک اسی طرح ہے۔

بھائی محمود کی تعلیم کا سلسلہ ناتمام تھا، اس لیے ان کا راولپنڈی میں شیخ القرآن، مولانا غلام اللہ خاں صاحب کے مدرسہ میں داخلہ کرایا گیا۔ اس مدرسہ میں درس نظامی کی آخری کتابیں مکمل کیں اور دورۂ حدیث پڑھا۔ مولانا غلام اللہ صاحب کے مدرسہ کے ایک بڑے استاذ حدیث، مولانا عبدالشکور کامل پوری [وفات: رجب ۱۳۹۰ھ/ستمبر ۱۹۷۰ء] (۱) سے سنن ابی داود اور موطا امام مالک پڑھیں۔ مولانا عبدالشکور صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمہم اللہ کے شاگرد تھے۔ بہت عمدہ درس دیتے تھے۔ اگرچہ حنفی تھے، مگر درس محدثانہ شان کا محققانہ ہوتا تھا جس کی وجہ سے بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہو جاتی تھی کہ مولانا غیر مقلد یا اہل حدیث ہیں۔ مولانا حنفی تھے، لیکن محدثانہ تحقیقات صاف بیان فرماتے تھے جس سے مولانا کے اہل حدیث ہونے کا شبہ گزرتا تھا۔ چونکہ اس مدرسہ کے اکثر طالب علم پٹھان یا صوبہ سرحد [موجودہ نام، پختونخواہ] وغیرہ کے تھے، اس لیے مولانا کامل پوری، پشتو میں درس دیتے تھے۔ چند دنوں کے بعد بھائی محمود نے گزارش کی کہ میں پشتو نہیں جانتا، اگر درس عربی میں ہو تو میرے لیے استفادہ کا زیادہ موقع ہے۔ مولانا عبدالشکور صاحب نے عزیز شاگرد کی رعایت فرماتے ہوئے عربی میں درس دینا شروع کر دیا۔ اس سے اگرچہ کئی طلبہ ناراض ہوئے اور کچھ بات چلی، مگر پھر سب مطمئن ہو گئے تھے، درس عربی میں ہوتا رہا۔ مولانا عبدالشکور کامل پوری، ۱۹۴۷ء سے پہلے مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس تھے، حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کے بھی شاگرد تھے اور ان سے بھائی محمود کے والد صاحب اور نانا دونوں نے پڑھا تھا۔ بھائی محمود کو بھی ان سے پڑھنے کی سعادت ملی۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بھائی محمود نوعمری میں، اس وقت کے ایک بڑے مربی اور عارف حضرت شاہ

عبدالقادر صاحب رائے پوری سے بیعت ہوگئے تھے۔ مولانا کے والد، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی قیام گاہ (کچے گھر) سہارنپور میں، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب سے بیعت ہو رہے تھے۔ حضرت شیخ نے بھائی محمود کو مخاطب کر کے فرمایا: تو بھی بیعت ہو جا! تو بھائی محمود بھی حضرت رائے پوری سے باقاعدہ بیعت ہوگئے تھے۔ میں نے سنا ہے کہ بھائی محمود کو، جو ''بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی'' کی حیثیت بھی رکھتے تھے، پاکستان اور بیرون پاکستان کے ایک سے زائد مشائخ طریقت سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی، مگر اس کی تفصیل معلوم نہیں۔

جب اس کارخانۂ ہستی میں ہماری آنکھیں کھلیں اور کچھ شعور پیدا ہوا، وہ عجیب اپنائیت ومحبت کا دور تھا۔ میل ملاقات، ایک دوسرے سے رابطہ تعلق رکھنے، رشتے، عزیز داری نباہنے کا دور تھا۔ گھر اگرچہ ماشاءاللہ سب کے علیحدہ علیحدہ اور خوب بڑے بڑے تھے، ہر طرح کی ہر چیز کی فراوانی تھی اور افراد بھی ماشاءاللہ کم نہیں تھے، مگر اپنی الگ حیثیت، علیحدہ گھروں اور ذرائع معاش کے باوصف، سب عزیز ایک دوسرے سے گویا جسم وجان سے پیوست تھے۔ ہر ایک دوسرے پر جان چھڑکتا تھا، ہر وقت ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا، ملاقات اور خیر وخبر جاری رہتی تھی جس کی وجہ سے سب ایک دوسرے کے لیے افراد خانہ کی حیثیت رکھتے تھے اور خاندان کے سب لوگ مل کر، ایک گھرانہ کی طرح رہتے تھے۔ اس وقت کی محبتوں اور مخلصانہ روابطوں اور تعلقات کا آج کل کے ناپرسان احوال دور میں، اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ گویا:

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

انہی روابط وقرابت کی وجہ سے بھائی محمود کی والدہ صاحبہ ۱۹۶۵ء تک [جب ہندو پاکستان کے تعلقات زیادہ خراب نہیں ہوئے تھے اور آنے جانے کی ایسی پریشانی نہیں تھی] تقریباً ہر سال اپنی والدہ صاحبہ سے ملاقات کے لیے ہندوستان آتی تھیں، ہندوستان میں عموماً دو تین مہینہ قیام رہتا تھا۔ اس وقت بھائی محمود اپنی خاندانی مادر علمی، مدرسہ جامع مسجد کاندھلہ کے طالب علم بن جاتے تھے۔ قرآن شریف کی تعلیم و دور کی بات ہو یا فارسی عربی درسیات کی، دونوں کے سبق کاندھلہ کے مدرسہ میں جاری رہتے تھے۔ اچھے پڑھانے والے بھی موجود تھے، اس لیے پڑھنے کا بھی ایک مزا تھا۔ اس دور میں اول استاد، حافظ عبدالعزیز صاحب مرحوم کے علاوہ، مدرسہ کے عربی کے استادوں، مولانا عبدالجلیل صاحب بستوی اور مولانا زین الدین صاحب بستوی سے بھی تعلیم کا کچھ نہ کچھ سلسلہ جاری رہتا تھا اور پاکستان میں زیر درس کتابوں کے اسباق کی تکمیل ہوتی رہتی تھی۔ بھائی محمود، مولانا عبدالجلیل صاحب کی علمی صلاحیت اور طریقۂ تعلیم ودرس کے مداح تھے۔

اس وقت سے بھائی محمود سے جو واقفیت اور رابطہ بنا تھا، وہ بحمداللہ، ملک بلکہ ملکوں کے فاصلوں، مناصب ومصروفیات، عہدۂ وترقیات کے باوجود ہمیشہ اسی طرح رہا۔ مجھے اس اعتراف میں ذرا بھی تکلف وتأمل نہیں کہ

اگر چہ رشتہ میرا بڑا تھا، مگر بھائی محمود عمر کے علاوہ، علم وکمال اور تحریر وقلم سے رہنمائی اور علم آفرینی کے اس درجہ پر تھے کہ ہمارے جیسوں کا وہاں گزر بھی نہیں، مگر اس کے باوجود ہر طرح کی گفتگو ہوتی۔ علمی مباحث بھی چھڑتے، ارباب سیاست کا بھی ذکر آتا، ان پر کھٹے میٹھے تبصرے بھی ہوتے، خصوصاً پاکستان کے اہل سیاست واقتدار پر ان کی رائے سننے کی ہوتی تھی۔ کئی مرتبہ کئی شخصیات ومعاملات میں ان کی رائے متعارف رائے اور نظریہ سے خاصی مختلف مگر سوچی سمجھی اور جچی تلی ہوتی تھی۔ وہ اس اعتماد سے بات کرتے تھے اور اس کے ایسے گوشے سامنے لاتے تھے کہ دوسرا پہلو ثابت کرنا مشکل ہو جاتا تھا اور ہم ایسے افراد جو ان معاملات سے براہ راست وابستہ نہیں، بھائی محمود صاحب کو صاحب البیت یا دانائے راز سمجھ کر خاموش رہ جاتے تھے۔

بھائی محمود صاحب جب کبھی ہندوستان آتے، کسی سیمینار میں، پروگرام میں، سرکاری مصروفیت سے، کاندھلہ کے لیے ضرور وقت نکالتے تھے۔ بعض مرتبہ تو موقع نہ ہونے کی وجہ سے آنا جانا ہی ہوتا تھا، بمشکل گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ قیام اور ملاقات رہتی، مگر آتے تھے اور اس کا اہتمام کرتے تھے۔ مجھے بھائی محمود کے کمالات وصفات میں یہ بات بہت پسند تھی کہ وہ اپنی بڑائی کے باوجود ہمیشہ خورد بن کر ملتے تھے۔ پوری زندگی انہوں نے اپنی کسی بات سے، طرز عمل سے بلکہ اشارہ سے بھی اس کا احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ کس حیثیت ومقام کے شخص ہیں اور ان کی کیسی منزلت ہے۔ یہی انداز خط وکتابت میں بھی تھا۔ میرا ہمیشہ تو نہیں، لیکن کبھی کبھی فون پر رابطہ اور خط وکتابت رہتی تھی۔ پاکستان بار بار فون کرنا اور لمبی بات چیت تو خلاف احتیاط تھی، مگر جب وہ پاکستان سے باہر ہوتے تو کئی مرتبہ فون پر رابطہ ہو جاتا تھا، خصوصاً آخر میں جب قطر میں تھے، کئی مرتبہ گفتگو رہی اور کبھی کبھی تبادلہ خطوط بھی ہوتا تھا جس میں سے غالباً اٹھارہ بیس خط محفوظ بھی ہیں۔ ان میں سے آخری دو خط یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

میں نے مولانائے روم [شیخ جلال الدین رومیؒ] کے سات سو سالہ جشن کے موقع پر مولانا روم پر ایک خاص شمارہ نکالنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس کا اپنے مجلہ احوال وآثار میں اعلان بھی کر دیا تھا اور اس میں تعاون ومضامین کے لیے ہندوپاکستان کے بیسوں اہل علم کی خدمات میں عریضہ اور سوال نامہ بھی بھیج دیا تھا، مگر چھ سات کے علاوہ کسی نے خط کی بھی رسید نہیں دی، مضامین ورہنمائی کا تو کیا ذکر ہے، اس لیے وہ ارادہ عمل میں نہ آسکا۔ جن لوگوں نے حوصلہ افزا جوابات دیے اور بھرپور تعاون کا وعدہ کیا، ان میں سب سے پہلا نام بھائی محمود کا ہی ہے۔ بھائی محمود نے میرے خط کے جواب میں دو خط لکھے تھے۔ ان سے غازی صاحب کی وسعت نظر، قوت اخذ واستنباط اور سیلانی ذہن کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ خطوط ملاحظہ ہوں:

مکتوب اول:

خال مکرم ومحترم جناب مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ مؤرخہ ۶ رصفر المظفر ۱۴۳۰ھ چند روز قبل اسلام آباد پر ملا۔ شاید آں محترم کے علم میں ہو کہ میں آج کل قطر میں مقیم ہوں۔ موسم گرما کی تعطیلات کے سلسلہ میں اگست کے وسط تک یہاں اسلام آباد میں رہوں گا۔

اس اطلاع سے ازحد خوشی ہوئی کہ مفتی الٰہی بخش اکیڈمی مولانا روم کی آٹھ سو سالہ پیدائش کی یادگار تقریبات کے موقع پر مثنوی پر ایک خصوصی شمارہ شائع کرنے کا پروگرام بنارہی ہے۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند! میری طرف سے دلی مبارک قبول فرمائیے۔

میری ناچیز رائے میں مجوزہ مقالات وعنوانات کی فہرست میں، مندرجات مثنوی اور پیغام مثنوی پر مزید اضافہ کی ضرورت ہے۔ یہ اضافے درج ذیل خطوط پر ہو سکتے ہیں:

(۱) مولانا روم اور تجدید فکر اسلامی
(۲) مثنوی کا علم کلام
(۳) اشعری اور ماتریدی کلام، مثنوی کی روشنی میں
(۴) وحی ورسالت مثنوی کی روشنی میں
(۵) پیر رومی اور مرید ہندی، ایک تقابلی مطالعہ
(۶) احادیث مثنوی پر ایک نظر (اصول حدیث کی روشنی میں)
(۷) مثنوی اور مکتوبات امام ربانی: تجدید واصلاح تصوف کے دو اہم مآخذ
(۸) مثنوی اور حدیقۃ الحقیقہ: ایک تقابلی مطالعہ
(۹) مولانا شیخ محمد اور مفتی الٰہی بخش کے تکملہ جات مثنوی
(۱۰) کلید مثنوی پر حاجی صاحب کی شرح مثنوی کے اثرات
(۱۱) مثنوی اور حکمت شریعت
(۱۲) مثنوی اور مسئلہ وحدۃ الوجود
(۱۳) مثنوی اور تصور ارتقاء
(۱۴) مثنوی کا تصور تعلیم وتربیت
(۱۵) حکایات مثنوی کے مآخذ
(۱۶) مثنوی میں تفسیر قرآن کا اسلوب

سردست یہ چند ممکنہ عنوانات ذہن میں آ رہے ہیں۔ مثنوی سامنے ہو تو اور بہت سے عنوانات تجویز کیے جا سکتے ہیں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں عنوان ۱، ۲ یا ۱۱ میں کسی ایک پر خامہ فرسائی کر سکتا ہوں۔

حضرت جد مکرم ومحترم مدظلہ العالی کی خدمت میں سلام نیاز اور دیگر اعزہ کو سلام ودعا۔

والسلام
نیاز مند محمود احمد غازی
۷رجولائی ۲۰۰۹ء

مکتوب دوم:

خال مخدوم و معظم جناب مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے!

کل پرسوں ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا، ملاحظہ سے گذرا ہوگا۔ رات مثنوی پر ایک سرسری نظر ڈالی تو بعض نئے موضوعات ذہن میں آئے جو خدمت عالی میں پیش ہیں:

(۱) مولانا کا فلسفۂ اخلاق

(۲) مکارم اخلاق: مثنوی کی روشنی میں

(۳) رذائل اخلاق: مثنوی کی روشنی میں

(۴) مولانا کی تنقید مسیحیت

(۵) مولانا کی تنقید یہودیت

(۶) مثنوی کا تصور جہاد

(۷) معجزہ اور معجزات بندی مثنوی کی روشنی میں

(۸) نبوت وانبیاء [وإن شئت قلت] منصب نبوت اوراس کے حاملین، مثنوی کی روشنی میں

(۹) مقام نبوت اور مقام ولایت مولانا کی نظر میں

(۱۰) مولانا کا اسلوب نعت گوئی

(۱۱) مولانا کا اسلوب تفسیر

(۱۲) مثنوی اور فلسفۂ یونان پر نقد

(۱۳) کشاکش عقل ودل، مثنوی کی روشنی میں

(۱۴) مولانا کا تصور مدت وحیات

(۱۵) مسئلہ جبر وقدر اور مثنوی

(۱۶) نفس انسانی اوراس کے مدارج

(۱۷) مثنوی کے مذہبی استعارے اوران کی معنویت

(۱۸) آتش وخلیل کا استعارہ، رومی اور اقبال کے کلام میں

(۱۹) مثنوی کی باطنی تفسیریں: ایک تنقیدی مطالعہ

(۲۰) ''ہست قرآں درزبان پہلوی''

والسلام

نیاز مند: محمود غازی

۹؍جولائی ۲۰۰۹ء

کوئی موقع ہوگا تو ان شاء اللہ بعض چیزیں اور پیش کی جائیں گی۔